سورۃ البقرہ

آیت ۲-۴

مؤلف

محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ)

جملہ حقوق اشاعت بحق مؤلف محفوظ

تفصیلات طباعت

کتابچہ	هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ
مؤلف	محمد ارشاد علی مولوی عالم (نظامیہ)
صفحات	۳۲
اشاعت	اپریل ۲۰۱۳
قیمت	مفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
	اشوک نگر ، بی۔ایچ۔ای۔یل
	حیدرباد
ای میل	islahitohfa@gmail.com

تنبیہ

اس کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ دستاویز ایک آن لائن کتاب ہے، اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ کے ذریعہ مفت فراہم کرنے کے لئے فارمیٹ اور ڈیزائن کیا گیا ہے۔اس کتاب کو اسی شکل میں بغیر کسی تبدیلی کے، اس کی تقسیم، طباعت، فوٹو کاپی اور الیکٹرونک ذرائع کے ذریعہ اس کی تقسیم اور اس کے مواد کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ اس سے مالی طور پر نفع حاصل نہ کی جائے۔

ترتیب

سورۃ البقرہ..۳

قرآن مجید میں لفظ اِتِّقَاء کے معانی ۵

ابتدائیۃ ۶

مدینہ میں یہود اور اُن کا مذہبی پس منظر.....................................۸

لفظ غَیْب ۱۰

ھُدًی لِّلْمُتَّقِینَ کے اولین مخاطبیت..۱۲

مُتَّقِینَ ۱۲

ایمان کی مجمل تعریف...۱۳

مراتب..۱۶

مسلمانوں میں حد درجے تقوے کی کمی کے اسباب ۱۸

سورۃ البقرہ کی مضامین واری تقسیم کی تفصیلات ۲۶

ISLAHI TOHFA

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سورۃ البقرہ

آیت ۲-۴

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ٢ ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ ٣
﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ ٤

ترجمہ

۱. (یہ اللہ کی کتاب) راہ دکھاتی ہے ڈر رکھنے والوں کو، انکو جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

۲. ہدایت ہے اُن پرہیز گاروں کیلئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

۳. (یہ کلامِ خدا ہے) خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

۴. Guidance unto those who ward off (evil)who believe in the unseen

آیت مذکورہ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کہا گیا ہے نہ کہ هُدًى لِّلْمُسلِمِينَ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان والی صفت اور اسلام والے اعمال سے پہلے، انسان اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ یعنی اسکے عذاب سے، اُسکے غصے سے ڈرنے والا ہو اور امر کو جان کر اُن پر عمل کرنے کا جذبہ ہو اور غیر شرعی امور کو جان کر ان سے بچنے کا جذبہ بھی ہو۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مُتَّقِينَ سے مراد وہ مؤمن ہیں جو شرک سے بچتے اور اطاعت الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔

(۲) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ مُتَّقِينَ وہ لوگ ہیں جو حرام سے بچتے ہیں اور اطاعت الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔

(۳) مقولہ - حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مُتَّقِينَ وہ لوگ ہیں جو شرک اور بُت پرستی سے بچتے ہیں خالص خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں یعنی وہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دیتے ہیں جو آخرت کی زندگی میں اُن کیلئے نقصان دہ ہیں اور باعث عذاب ہیں۔ اسکے تین درجے ہیں۔

۱. کفر اور شرک نہ کرے۔ ۲. ہر قسم کے گناہ سے بچے۔ ۳. اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے۔

اِتَّقٰی – یَتَّقی = اِتِّقَاءً پرہیز کرنا۔ مُتَّقی پرہیز گار۔

اَلتَّقْوٰی = پرہیز گاری - یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف اور اُسکی اطاعت کے مطابق عمل ہی تقویٰ ہے۔

حدیث بندہ، متقین کے درجے کو اُس وقت پہنچتا ہے جب اُن چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے جن میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ اُن چیزوں میں نہ پڑ جائے جن میں گناہ ہے۔

ISLAHI TOHFA

قرآن مجید میں لفظ اِلتِّقَاء کے معانی:

(۱) جس چیز سے نقصان کا اندیشہ ہو اس سے بچنا۔

(۲) کسی آفت کے ظاہر ہونے سے چوکنّا (cautious) رہنا۔

(۳) اللہ سے خوف کھاتے رہنا اور گناہ کو ناپسند کرنا۔

(۴) گناہ سے بچنا تاکہ اللہ کے غضب اور اسکے عذاب سے محفوظ رہیں۔

تشریح:- هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنی هَادٍ لِلْمُتَّقِينَ (یعنی یہ کتاب بہت بہت راہ دکھانے والی ہے۔ پرہیزگاروں کو (هَدىٰ - يَهْدِىْ راہ دکھانا هُدًى مصدر (root word) هَادٍ اسم فاعل ہے) یہاں پر هُدًى مصدر ہے اور اسکو اسم فاعل سے ترجمہ کیا گیا ہے یہ فصاحت ہے اس کا تعلق علم البیان میں مجاز (جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی سے کسی دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اُسے مجاز کہا جاتا ہے) کے تحت اس کی تفصیل ملے گی یعنی یہ مجاز عقلی کے طور پر ہے مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کو فاعل غیر حقیقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہدایت کا دینے والا یعنی فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یہاں ہدایت کے فعل کی نسبت فاعل غیر حقیقی یعنی قرآن مجید کی طرف کی گئی ہے یہ بہ اعتبار "سبب" کے ہے یعنی مجازاً قرآن مجید کو (انسان کے لئے) ہادی بتلایا گیا ہے جو کہ راہ ہدایت دکھانے کا سبب ہے۔ اس طرح یہاں فعل کی نسبت فاعل حقیقی کی طرف کرنیکے بجائے "سبب فعل" کی طرف کیگئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ هُدًى مصدر کو اسم فاعل کے طور پر لاکر کثرت ہدایت

ظاہر کرنا ہے یعنی قاری کیلئے قرآن مجید میں کثرت سے ہدایت ہے۔ ہدایت ہی ہدایت ہے۔

ابتدائیہ :- ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾[الفاتحة: ٦] دعا ہے اور جواب دعا یا قبولیت دعا کی صورت ﴿الم﴾﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ٢-١]ہے۔ سورۃ البقرہ، قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سب سے بڑی سورت ہے۔ اس میں ۲۸۶ آیات ہیں۔ ۴۰ رکوع، کلمات ۶۲۲۱ اور حروف ۲۵۵۰۰ ہیں۔

مکّے کی زندگی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۸۶ صورتیں نازل ہوئیں اور مدینہ کی زندگی میں ۲۸ صورتیں نازل ہوئیں۔ سورۃ البقرہ پہلی صورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ نزولی ترتیب کے لحاظ سے اِس سورت کا نمبر ۸۷ ہے لیکن تلاوتی ترتیب کے اعتبار سے سورۃ الفاتحہ کے بعد نمبر ۲ ہے۔ مدینہ میں پہلے یہی سورت نازل ہوئی۔ مکّی سورتوں میں مخاطبت، مشرکین سے تھی۔ سورتوں کے مضامین توحید، رسالت اور آخرت والی باتوں پر مشتمل ہیں۔ یہ سب باتیں اُن کیلئے ایک عجوبہ سے کم نہ تھیں اور مدینہ میں مخاطبت اہل کتاب بالخصوص یہودیوں سے ہے۔

سورۃ فاتحہ میں بندے کی دعا ایک طرف مُنْعَم عَلَيْهِم (انبیاء، صدیق، شہید، صالح) گروہ کے راستے کی رہنمائی کیلئے ہے تو دوسری طرف گمراہ گروہوں کے طریقوں سے بچائے رکھنے کی دعا بھی ہے۔ دعا کے اس پہلو کو سامنے رکھ کر قاری اگر سورۃ البقرہ کی تلاوت کرتا ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس سورت میں ملّت ابراہیمی کے تجدید کے ساتھ ساتھ یہود کے تمام جرائم کی فہرست بھی بیان کر

دیگئی ہے۔ جو اُنھوں نے خدا اور اُسکے نبیوں اور رسولوں اور انکی شریعت کے خلاف کئے تھے۔ جن کے سبب وہ اسبات کے مستحق ٹھیرے تھے کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہو، اور وہ اقوام عالم کی امامت اور پیشوائی کے منصب سے معزول کر دیئے جائیں۔ گویا سورہ فاتحہ میں انعام یافتہ اور مغضوب گروہ کی طرف اجمالی اشارہ ہے اور سورۃ البقرہ میں دونوں گروہوں کی تفصیل سامنے آ گئی ہے۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ کا اشارہ تورات کے اس بیان کی طرف بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک پیشین گوئی تورات میں کی گئی ہے۔

"میں اُن کیلیئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اسکے منھ سے ڈالوں گا اور میں جو کچھ اسکو حکم دونگا وہی وہ اُن سے کہیں گا اور جو کوئی میری باتوں کو جن کو وہ میرا نام (بسم اللہ) لیکر کہیگا، نہ سُنیگا تو میں اُن کا حساب اس سے لونگا"

دوسری بات یہ ہے کہ ذَٰلِكَ، اسم اشارہ بعید ہے جو نزدیک کیلیئے یہاں استعمال ہوا ہے یہ فصاحت ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کو ظاہر کرنے کیلیئے اسم اشارہ بعید لایا گیا ہے۔

۱. وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۲۷۰ء ق-م
۲. رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد ۶۲۳ء
۳. نزول سورۃ البقرہ ۶۲۳ء - ۶۲۴ء

اسطرح حضرت موسیٰؑ کو گزرے ہوئے تقریباً ۱۹ صدیاں گزر چکی تھیں، اسرائیلی تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ۱۲۸۲ ق۔م میں ہوئی اور خاتمُ الأنبیاء والمُرْسَلِین کو اگست ۶۱۰ ء میں نبوت ملی۔

مدینہ میں یہود اور اُن کا مذہبی پس منظر۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے۔ توحید، رسالت وحی الٰہی، شریعت، یوم آخرت وغیرہ پر اِن کا ایمان تھا، لیکن ۱۹ سو سال گزر جانیکی وجہ سے اُمّتِ مُوسَوی، اصل تعلیمات تورات سے کافی دور ہو چکی تھی جس میں ہزاروں مرتبہ تحریفات ہو چکی تھیں۔ ان سب کی وجہ سے ان کے عقائد غیر اسلامی اور بے سند تھے۔ ان کی زندگیوں میں رسومات، روایات مختلف شعبوں میں رائج پا گئے تھے۔ ان ہی کو عوام شریعت موسوی سمجھ رہی تھی ان کے علماء اپنے کلام کو تورات کے کلام کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے۔ بقیہ تورات کے احکام میں ان کے علماء ذاتی منفعت کی خاطر من مانی تاویلات اور تفسیریں کیا کرتے تھے۔ اس طرح دین کی روح ختم ہو کر ایک بے جان ڈھانچہ دین کا رہ گیا تھا۔ یہود اُس بگڑی ہوئی شکل ہی کو حقیقی شکل سمجھ رہے تھے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی اصلاح کیلئے آگے بڑھا تو لوگ اُسکے دشمن ہو جاتے تھے کیونکہ اُن کی نظر میں اُن کے علماء اور مشائخ کا مقام اُن کے انبیاء سے آگے تھا وہ لوگ جاہل فقیروں کی باتوں کو، حقیقی عالم کی بات پر ترجیح دیتے تھے۔ یہودیوں میں فرقہ بندی دنیا پرستی، خدافراموشی، دین بیزاری، حق بیزاری، فخر و غرور اور خوش خیالیاں عام تھیں۔ یہ لوگ اللہ کے دین کو اور سلسلہ نبوت کو نسل اسرائیلی کی آبائی وراثت سمجھتے تھے پس اِن حالات میں حضور رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کو دین اسلام کی دعوت دیں جو کہ حقیقی دین ابراہیمی اور دین حنیف ہے۔

۱۵-۱۶ رکوع تک اس سورت میں آپکی دعوت کا بیان ہے اور اس میں یہودیوں کی تاریخ اور اخلاقی اور مذہبی حالات پر تبصرہ اور تنقید بھی کیگئی ہے۔ اسکے پہلو بہ پہلو حقیقی دین کے اصولوں کو بھی پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ رسمی دینداری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ - لِّلْمُتَّقِينَ میں حرف لام جر، انتفاع (نفع) کے معنی ہے یعنی اس کتاب سے فائدہ وہی لوگ اٹھائینگے جو متقی ہیں۔ قرآن مجید کا نزول تو سب کیلئے ہے اور ہدایت بھی سب کیلئے ہے لیکن چونکہ سب لوگ متقی نہیں ہوتے اس لئے سب لوگوں کو فائدہ نہیں ہوتا یعنی خدا کا خوف جس دل میں ہو اسکو اس کتاب سے ہر ہدایت ملتی ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ - متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان امن سے ہے۔ اسکے اصلی معنی تو امن دینے کے ہیں۔

اَمُنَ - یَاْمُنُ = اَمَانَۃً (وفادار ہونا)

اَمِنَ - یَاْمَنُ = اَمَاناً (محفوظ ہونا)

آمَنَ - یُؤمِنُ = اِیْمَاناً (لام کے صلہ کے ساتھ)

آمَنَ - یُؤمِنُ = اِیْمَاناً (بہ کے صلہ کے ساتھ) یقین کرا، بھروسہ کرنا

اس لفظ ایمان کی حقیقی روح یقین، اعتماد، اعتقاد ہے۔ اس طرح جو یقین، خشیت، توکل اور اعتقاد کے خصوصیات والا ہو اسکو ایمان کہتے ہیں چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ

پر، اُسکی آیات پر، اسکے احکام پر ایمان لائے اور اپنا سب کچھ اُسکے حوالے کر دے اور اسکے غیبی فیصلوں پر پوری طرح سے راضی اور مطمئن ہو جائے وہ مؤمن ہے۔

بِالْغَيْبِ کی "باء" کے بارے میں ایک رائے مفسرین کی یہ ہے کہ "ب" کو صلہ کے طور پر لیا جائے اور غیب کو يُؤْمِنُونَ کا مفعول بہ قرار دیا جائے۔ اکثر مفسرین کرام کی یہی رائے ہے لیکن دوسری رائے یہ ہے کہ "ب" کو ظرفیت کے معنی میں لیا جائے یعنی متقین وہ لوگ ہیں جو غیب میں رہنے والی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں ایسی صورت میں يُؤْمِنُونَ عام ہو گا اور اسکے تحت وہ تمام چیزیں آ جائینگی جن پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی متقین لوگ اسبات کے منتظر نہیں ہیں کہ تمام حقائق کو آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں بلکہ وہ لوگ مشاہدے کے بغیر محض عقل و فطرت کی شہادت پر اور پیغمبر کی دعوت کی بناء پر اُن تمام چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

لفظ غَيْب : حاضر کی ضد ہے، ظاہری موجود کی ضد ہے۔ شہادت کی ضد ہے۔ غیب کے معنی یہ ہیں جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو۔ غیب وہ چیز ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ انسان کے پاس نہ ہو جیسے حضور اکرم کی زبان سے قرآن مجید میں آتا ہے کہ ﴿ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾[الأعراف: ١٨٨] اگر مجھے غیب کا پتہ ہوتا تو میں اپنے لئے بہت سے فائدے حاصل کر لیتا۔

قرآن مجید میں لفظ غیب سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ ان خبروں میں اللہ کی ذات، صفات، تقدیری امور،

جنت، دوزخ، قیامت اور اسکی تفصیلات وغیرہ ہیں۔ اس طرح فرشتے، تمام آسمانی کتابیں، تمام انبیاء کرام سابقین شامل ہیں۔

قرآن کی ہدایت سے مراد اُسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں فکر و عملی کی صحیح راہ بتلاتا ہے۔ موجودہ زاویہ نظر اور انداز فکر و عمل کی اصلاح کرتا ہے۔ انسان کے ذہنی شاکلہ (way of thinking) میں تبدیلی لاتا ہے۔ اس طرح انسان کو دنیوی پیچ در پیچ راستوں اور مشکل مرحلوں سے سلامتی کے ساتھ گزار کر فلاح اُخروی کی طرف لیجانے والا ہے۔

مشکلیں اتنی غم اتنے مسائل اتنے
زندگی تجھ کو بتا کیسے گزارا جائے

اس کا حل بس یہی ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرتے ہوئے غیب پر ایمان لائے، خدا کو مانے، یوم قیامت کے پیش آنے پر یقین کامل رکھے، نماز پڑھے، اللہ کی خوشنودی کیلئے مال عزیز اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ جو اِن شرائط کو پورا کرتا ہے وہ قرآن سے رہبری حاصل کر سکتا ہے۔

اللہ کا کلام حکیمانہ مل گیا۔
اچھے بُرے کی قدر کا پیمانہ مل گیا۔

قرآن ایک ہدایت نامہ ہے جو انسان کے خیر کیلئے بھیجا گیا ہے تاکہ انسان اسکو اپنی زندگی گزارنے کا قانون بنائے۔ یہی قانون اسکی زندگی کی روح ہو جائے۔ قانون کا کام زندگی کے ہر قدم پر رہبری کرنا ہے۔ زندگی کے سارے امور کو مذکورہ

صفات والا انسان اسی قانون پر ڈال کر جانچ لے، اسی قانون کو معیار بنائے۔ یہ خدائی رہبری والے راستے ہیں۔ ان کو دیکھ کر نہیں چلا جاتا جیسا کہ دنیوی راستے ہوتے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر چلا جاتا ہے۔اِن راستوں پر تو چل کر دیکھنا ہے کیونکہ کامیابی ان ہی کیلئے ہے اور جنت ان ہی کیلئے ہے جو ان راستوں پر چلتے ہیں۔ اس راستے پر خیر القرون کے زمانے کے لوگ چلے ہوئے ہیں جنکو رضی اللہ عنھم اور ورضواعنہ کا خطاب قرآن مجید میں اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کے اولین مخاطب: اس کتاب سے اولاً ہدایت اُس جماعت کو ملی جو علم الٰہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کیلئے پہلے ہی سے منتخب تھی۔ پھر ان ہی کے جان اور مال اور زندگیوں کی قربانیوں کی وجہ سے دعوت الی الایمان ساری دنیا میں پھیل گئی۔ قرآنی ہدایت کو عام کرنیکے لئے رسول ﷺ کی ۸۵ فیصد زندگی اشاعت دین میں لگ گئی۔

مُتَّقِينَ حضرات کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی اہم کام اور کار عظیم در پیش ہوتا ہے تو اپنے مخصوص اور مخلص دوستوں کو بلا لیا جاتا ہے اور یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ان صفات سے متصف ہوتے ہیں جو کار عظیم پر عمل درآمد کیلئے مناسبت اور موزونیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ جو وقت مکّہ معظّمہ میں اللہ کے رسول کو منصب نبوت سے (اگست ۶۱۰ سنۂ) سرفراز کیا گیا اور اسکے مطابق سارے عالم کیلئے ہدایت کا ایک عظیم الشان کام شروع کیا گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں (اولیاء) کو یعنی متقین کو منتخب فرمایا اور قرآنی ہدایت کے مطابق انکی تربیت اور انکی عملی مشق بذریعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و

سلم انجام دیگئی۔ اِس نَبُوِّی تربیت اور عملی مشق اور صحبت رسول کا نتیجہ یہ نکلا کہ اِن کا ایمان اِن کے دلوں کے اندر اس قدر مضبوط ہو گیا کہ وہ صحابہ رسول، اخلاص اور شدت محبت کیوجہ سے بڑے حوصلے والے ہو گیے اور اسے دین کی تبلیغ کیلیئے جان و مال کی بازی لگانے تیار ہو گئے۔ پھر رسول خدا نے ان متقین اور اولیاء اللہ کو عالم میں منتشر فرمایا تا کہ وہ اس نور ہدایت کو پھیلائیں۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا کہ میرے اصحاب، مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جنکی بھی اقتدا کرو گے تم ہدایت پاو گے۔

قرآن مجید رَبّ العزت کی طرف سے ایک رحمت ہے اور وہ ان دوستوں کے نام ہی ہے جن کو متقین کہا گیا ہے جو اللہ کے غلام بھی ہیں، اللہ کے دوست بھی ہیں اور اولین مخاطب ہدایت کے یہی حضرات ہیں، پھر ان کے صدقے میں ان کی محنتوں کے نتیجے میں دوسروں کو ہدایت ملی۔

یہ قرآن مجید ہی ہے جس کے ذریعے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدایت ہوئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور سے مخاطب ہو کر فرمایا ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ﴾ [الضحى: ٧] اور رستے سے ناواقف دیکھا تو رستہ دکھایا۔ دوسری جگہ فرمایا ﴿اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ [الأنعام: ١٠٦] اور جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اسی کی پیروی کرو۔

ایمان کی مجمل تعریف-ایمان کی تعریف کو قران نے يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے صرف دو لفظوں میں پورا بیان کر دیا ہے۔

اصطلاح شرع میں خبر رسول ﷺ کو رسول ﷺ کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے اور غیب وہ ہے جو آنکھوں کو نظر نہ آئے کان سے سنائی نہ دے، نہ ناک سے سونگھ سکے اور نہ زبان سے چکھ سکے نہ ہاتھ سے چھو سکے۔ اس طرح غیب میں وہ تمام چیزیں آگئیں جنگی خبر رسول خدا نے دی ہے اور ان کا علم ہدایت عقل اور حواس خمسہ کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔ گویا اجمالاً یہاں بیان، ایمان کے بارے میں آیا ہے اور سورہ بقرہ کی آخری آیت میں تفصیلاً ایمان کا بیان آیا ہے۔

ایمان کی تعریف میں ماننے کا لفظ ہے جاننے کا نہیں یعنی محض جاننا ایمان نہیں ہے۔ بلکہ ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ بہت سے کفار مکّہ کو بھی حضور کی سچائی کا یقین تھا مگر ان لوگوں نے مانا نہیں اس لئے وہ مؤمن نہیں تھے۔ جاننے کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ متقین کے صفات میں سب سے پہلے ایمان بالغیب کا ذکر فرمایا پھر اقامت نماز اور اس کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا۔ اس طرح ایمان کے ساتھ اعمال کے جوڑ کے طور پر صرف دو عمل نماز اور انفاق مال کا ذکر کیا اس میں غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ ایک مؤمن کیلئے جتنے اعمال انسان پر فرض یا واجب میں ان کا تعلق یا تو انسان کے جسم سے ہے یا پھر اسکے مال سے ہے۔ اسطرح یہاں ان دونوں اعمال کا ذکر نہیں ہے بلکہ تمام عبادات اور اعمال کو ان دونوں کے ضمن میں لے لیا گیا ہے۔ اسطرح نماز اور انفاق مال سب اعمال کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں متقین کے معنی ہونگے وہ لوگ جن کا ایمان بھی کامل ہے اور جن کا عمل بھی۔ چنانچہ ایمان اور عمل کے مجموعے کا نام ہی اسلام ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ ایمان اور عمل کی مسافت ایک ہی ہے فرق صرف ابتداء اور انتہاء میں ہے یعنی ایمان، قلب سے شروع ہوتا ہے جو نظر نہیں ہوتا اور اسلام پر ختم ہوتا ہے۔ اسلام، اعمال ہی کا دوسرا نام ہے جو کہ ظاہر ہے۔ اسطرح ۔آیت نمبر ۳ اور ۴ میں متقین کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے اجمالی طور پر ایمان اور اسلام کے تقاضوں کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ جس طرح کلمہ توحید لَآ إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰہ کے چار لفظوں اور محمد رسول اللہ کے تین لفظوں، جملہ سات لفظوں میں دین کے تقاضوں کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ کسی سائل نے کسی عالم سے پوچھا کہ کلمہ توحید کے تقاضے کیا ہیں؟ عالم نے جواب دیا جو کچھ کہ تیس پاروں میں بیان کیا گیا ہے اس پر عمل، اس کلمہ کا تقاضہ ہے۔

حدیث: بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین، پھر وہ لوگ بہترین ہیں جو میرے زمانے کے بعد آئینگے یعنی تابعین کرام پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد آئینگے (یعنی تبع تابعین کرام) آپ ﷺ نے اسبات کو تین یا چار بار دھرادیا۔ پھر کچھ لوگ آئینگے جنکی گواہی، قسم سے سبقت لے جائیگی اور ان کی قسم، گواہی پر سبقت لے جائیگی۔

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ تبع تابعین کے بعد کے لوگوں کی نظر میں گواہی اور عہد کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہے گی یعنی وہ لوگ جھوٹی گواہی دیں گے اور عہد (وعدہ) کو پورا نہ کرینگے۔

نوٹ ۔ حدیث مذکورہ کے تینوں زمانے یعنی صحابہ کا زمانہ، تابعین کا زمانہ اور تبع تابعین کا زمانا خیر القرون یعنی زمانوں میں بہتر زمانہ کہلاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جنکی پیروی اور جنکی اتباع کرنی ہے وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں کیونکہ یہ لوگ اُمّتِ محمدیہ کے افضل ترین افراد تھے ان کے دل میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری تھی وہ دین کا گہرا علم رکھتے تھے۔ان لوگوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کا ساتھ دینے اور اپنے دین کو قائم (اقامت دین) کرنے کیلئے منتخب فرمایا تھا، پس اے مسلمانوں تم ان کا مقام پہنچانو، ان کے پیچھے چلو، ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو اپناؤ اور مضبوطی سے پکڑو اس لئے کہ یہ لوگ صراط مستقیم پر تھے خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ پر تھے۔

نوٹ: آج کا مسلمان آج کے اپنائے ہوئے دین کو صحابہ والے دین سے ملا کر دیکھیں تو اسکو پتہ چلے گا وہ صحیح دین سے کس قدر ہٹا ہوا ہے۔

آج کا مسلمان یہ بھی غور کرے کہ عہد رسالت کے صحابہ کی ذمہ داری آج کی طرح روزے، نماز، حج، زکوٰۃ تک محدود نہیں تھی بلکہ مسجد سے زیادہ میدانی زندگی تھی۔کیونکہ داعی رسول کی پکار تھی کہ آؤ بدر کی طرف، آؤ احد کی طرف، نکلو خندق کی طرف، چلو مکّے کی طرف تاکہ ۳۶۰ بتوں کو نکال پھینکے۔

مراتب

افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۱. حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

۲. حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

۳. حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

۴. حضرت علی رضی اللہ عنہ
۵. بقیہ عشرہ مبشرہ
۶. حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
۷. حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
۸. حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
۹. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۱۰. حضرت ابو عبیدالجراح رضی اللہ عنہ
۱۱. حضرت سعید ابن زید رضی اللہ عنہ
۱۲. غزوہ بدر کے شرکاء
۱۳. اہل احد
۱۴. مہاجرین وانصار

اشاعت دین اور اقامت دین کے سلسلوں کے مجاہدین میں صحابہ کرام کی جان نثاری، مال نثاری، ہجرت، اخلاص، وطن دوری جیسی صفات سے تاریخ کے ہزارہا صفحات معمور ہیں انکے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہے صرف حکایات صحابہ کے پڑھ لینے سے وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ یا حیات صحابہ کے ورد سے اس حقیقت کو پانا مشکل ہے۔

جو جان دے کے پائیں تو فوز عظیم ہو
وہ چیز مانگتے ہیں تن آسانیوں سے ہم

ISLÁHI TOHFA

مسلمانوں میں حد درجے تقوے کی کمی کے اسباب

غیب، حاضر کی ضد ہے اور انسان حاضر و محسوس و مشہود کے یقین میں ڈوبا ہوا ہے۔اس خصوص میں عقل اسکی مددگار ہے۔ دنیا کا یقین اس قدر ہو گیا کہ انسان مادہ پرست ہو گیا۔ دن رات دنیا کمانے کی محنت پر لگ گیا۔

دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ خود دنیا کا خالق، دنیا کی مذمت کر رہا ہے [آل عمران: ۱۸۵]﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾(رہی یہہ دنیا تو محض ایک ظاہر فریب چیز ہے اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سودا ہے)

جو ظاہر ہے اور جو دکھائی دے رہا ہے وہ زندگی کا اصل مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ وہ ہے جو غیب میں ہے، جو آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ مادہ پرست دنیا کے مسائل ہی کو اصل مسئلہ سمجھا ہوا ہے۔ دنیوی پریشانیاں، دنیوی تکالیف اور مصائب، تنگی اور فقر و فاقہ ہی سے بچ جانے کو انسان، دنیا کی کامیابی سمجھ رہا ہے ان سب سے بچ کر ایسے دنیا میں اپنی ایک چھوٹی جنت بنانے کی فکر میں لگا ہوا ہے مگر عقلمند تو وہ ہے جو آخرت کے جہنم سے خود کو بچائے اور وہاں کی جنت کو پانیکے لئے اپنی دنیا کی زندگی لگا دے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خُوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا

دنیا کو آرام گاہ سمجھنا ایک بڑی غلطی ہے دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ایک قید خانہ ہے مؤمن کے حق میں نہ کہ من چاہی زندگی گزارنے کی جگہ ہے۔

ایک انسان، دولت مند اور مفلس، دونوں کی زندگیوں پر غور کرتا ہے تو اسکی نظر میں دولت سے ہر کام نکلتا نظر آتا ہے تو اُس کے حصول کی محنت میں خود کو لگا دیتا ہے۔ دولت کا حاصل کرنا گویا دنیوی زندگی کی کامیابی ہے اس عقیدے سے وہ زندگی گزارتا ہے۔ یہ بات صحیح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیوی محنت کو اور اسکے نتائج کو انسان کے سامنے رکھ دیا جو کہ محسوسات اور مشاہدات کے دائرے میں ہیں لیکن اُخروی محنت اور اسکے نتائج کو مغیبات (چھپی ہوئی) میں رکھ دیا ہے، یہ بھی ہماری ایک آزمائش ہے کہ ہمکو اس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ بھی ہمارا امتحان ہے۔اب زرا غور کریں صحابہ کرام کا غیب کا یقین کیسا تھا۔

دنیا میں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ اللہ کا محبوب اور چہیتا بھی ہے اور اسکو بارگاہ الٰہی میں قبولیت بھی حاصل ہے۔ اسی طرح یہاں کوئی تنگ دست، کثیر العیال اور مصائب کا مارا ہے، یہ اسکی حالت، اللہ کی ناراض مندی کی دلیل نہیں ہے۔ بارگاہ الٰہی کا ٹھکرایا ہوا نہیں ہے۔ لیکن دنیا والوں کا معیار کچھ اسکے بر عکس ہے۔

حق بات تو یہ ہے کہ جو اس دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتا ہے، امتحان گاہ سمجھتا ہے تو وہ تقوے کی زندگی گزارنے لگتا ہے۔ کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ جائز ہے، یہ ناجائز ہے، یہ ضروری ہے اور یہ غیر ضروری ہے، یہ حق ہے، یہ باطل ہے، یہ اچھا ہے، یہ بُرا ہے۔ اسطرح متقی آخرت پر نظر رکھ کر دنیا کے جھمیلوں سے گزر جاتا ہے ایسی صورت میں کچھ پریشانیاں ضرور لاحق ہوتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر آخرت کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنے والا وہاں بعد اِس عارضی زندگی کے آرام سے رہتا ہے۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ ہم میں دنیا کی محبت آ گئی ہے جس کی وجہ سے ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے اس معاملے میں ہم اللہ کے پاس کس طرح چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

حدیث: اللہ کے رسول نے ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا تجھ کو میں دنیا اور اس کی حقیقت بتلادوں۔ آپ نے ابو ہریرہؓ کو مدینہ منورہ کے ایک جنگل کی طرف لے گیے، وہاں پر ایک جگہ گھور (کوڑے کرکٹ کا ڈھیر) تھا جس میں کچھ کھوپڑیاں، ہڈیاں، پائخانہ اور کپڑوں کے چھیتڑے پڑے تھے آپ نے فرمایا اے ابو ھریرہ یہ کھوپڑیاں والے بھی ایسا ہی چاہ و پیار دنیا میں کیا کرتے تھے جس طرح تم کرتے ہوں اور ان لوگوں میں بھی ایسی ہی آرزوئیں تھیں جس طرح تم سے ہیں اور آج ایسی ہو گئیں کہ ان پر چمڑا بھی نہیں اور چند روز میں یہ راکھ ہو جائینگی۔ یہہ پاء خانہ ہے جو کسی وقت اُن کی غذا تھی۔ نہیں معلوم کہاں کہاں سے لا کر کھایا کرتے تھے اور آج وہ ایسا ہو گیا ہے کہ تم اُس سے نفرت کرتے ہو۔ یہ چمڑے کبھی رنگی پوشاک تھی جو اب ہوا کے تھپیڑے کھا رہی ہے اور یہہ ہڈیاں انکے چو پائے تھے جن پر وہ سوار ہو کر شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے پس اس دنیا کا یہی انجام ہے۔ زندہ لوگوں کیلئے مقام غیرت ہے کہ اس سے وہ سبق لیں کہ اس دنیا میں کیسے زندگی گزاریں۔

حدیث: میرے بعد تمہارے پاس دنیا آئیگی جو تمہارے ایمان کو کھا جائیگی جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى﴾[النساء: ۷۷]

۱. اے رسول ﷺ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا ترس انسان کیلئے زیادہ بہتر ہے۔

۲. اے رسول ﷺ آپ فرما دیجیے کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اسکے لئے جو پرہیزگاری کرے۔

آیت مذکورہ میں دُنیا کی نعمتوں اور آخرت کی نعمتوں کا فرق بتلایا گیا ہے۔

۱. دنیا کی نعمتیں قلیل ہیں اور آخرت کی نعمتیں کثیر ہیں۔
۲. دنیا کی نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی باقی رہنے والی ہیں۔
۳. دنیا کی نعمتوں کے ساتھ طرح طرح کی دنیا کی پریشانیاں ہیں اور آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔
۴. دنیا کی نعمتوں کا حصول یقینی نہیں ہے اور آخرت کی نعمتوں کا حصول ہر متقی کیلئے یقینی ہے۔

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[الأنعام: ٣٢] اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغولہ ہے۔ اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔

حقیقت میں آخرت ہی کا مقام اُن لوگوں کیلئے بہتر ہے جو نقصان سے بچنا چاہتے ہیں پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

تشریح:-آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی حقیقی زندگی کے مقابلہ میں یہ دنیوی زندگی ایسی ہے جیسے کوئی شخص کچھ دیر کیلئے کھیل اور تفریح میں دل بہلائے اور پھر اصلی سنجیدہ کاروبار کی طرف واپس ہو جائے۔ اسکے علاوہ، دنیوی

زندگی کو کھیل تماشے سے اس لئے تشبیہ دیگئی ہے کہ یہاں حقیقت دنیا مخفی اور پوشیدہ ہونیکی وجہ سے بے بصیرت، ظاہر پرست اور سطحی بین انسان، غلط فہمیوں میں پھنس کر حقیقت سے دور ہو کر ایک عجیب قسم کی طرز زندگی کو اختیار کر لیتا ہے۔ جسکی وجہ سے اسکی زندگی محض ایک تماشہ اور ایک کھیل بن کر رہ جاتی ہے۔ کھیل تماشہ اُس کو کہتے ہیں جس میں حقیقت نہ فضولیت ہو، وقت کا ضیاع ہو۔ جیسے دنیا میں کوئی بادشاہ بنا ہوا ہے، سر پر تاج اور تخت پر بیٹھ کر حکومت کر رہا ہے۔ کوئی ولی صفت خود کو ظاہر کر کے حاجت روائی کا ڈھونگ مچا رہا ہے، کوئی اپنی آزادی کا غلط استعمال کر کے ظلم کو اپنایا ہوا ہے، کوئی کمزور ہونے سے مظلوم بنا ہوا ہے۔ کسی کو رزق کی خوشحالی حاصل ہے تو وہ خود کو با عزت سمجھا ہوا ہے اور جو تنگ حال ہے اسکو دنیا بے عزت سمجھ رہی ہے۔ بقاء نسل کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی خاطر مرد اور عورت کی جنس کی تخلیق کیگئی، پھر ان کے لوازمات کے طور پر ایک دوسرے کیلئے محبت کا جذبہ رکھ دیا گیا۔ انسان چونکہ ان ساری باتوں کی حقیقت کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے وہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر خوش خیالیوں اور خود فریبیوں میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ اِسی زندگی کو اللہ تعالیٰ کھیل تماشہ سے تشبیہ دیئے ہیں۔

مرزا غالب اِس خوش خیالی کو ایک شعر کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

* بازیچہ اطفال یعنی بچوں کا کھیل

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [یونس: ۲۳]

۱. اے لوگو تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف ہے، دنیا کی زندگی کا نفع اٹھالو۔ پھر تمکو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر ہم بتادینگے جو کچھ تم کر رہے تھے۔

۲. اے لوگو تمہاری یہ بغاوت اکٹھی تمہارے ہی خلاف پڑرہی ہے۔ دنیا کے چند روزہ مزے ہیں لوٹ لو پھر ہماری طرف تمھیں پلٹ کر آنا ہے اُس وقت ہم تمھیں بتادینگے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے۔

جب تک اسباب زندگی، انسان کیلیئے ساز گار رہتے ہیں اسوقت تک اس میں نفسیاتی اعتبار سے دلبستگی کی وجہ سے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے خدا کو بھول کر زندگی کی خوشحالی پر پھل جاتا ہے اور زندگی ہی میں جیسے ہی اسباب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر سمجھ میں آتا ہے ان سارے اسباب کے پیچھے ایک ہستی ہے جسکو خدا کہتے ہیں۔

انسان ایک بے حد حسّاس وجود ہے وہ تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان پر کوئی تکلیف کا لمحہ آتا ہے تو فوراً سنجیدہ ہو جاتا ہے اسوقت اس کے ذہن سے تمام مصنوعی پردے ہٹ جاتے ہیں اور فکر کے لمحات میں آدمی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے جس کا اعتراف کرنے کیلیئے وہ بے فکری کے لمحات میں تیار نہ تھا اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان ابن الحال ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ خدا کو نہ ماننے کیلئے آدمی خواہ کتنا ہی فلسفہ پیش کرے حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کی تمام باتیں بے فکری کی نظریہ سازی ہے۔ انسان اگر جان لے کہ دنیا کی عارضی زندگی اور دنیا میں مواقع، وقتی طور پر انسان کو امتحان کیلئے دیئے گئے ہیں تو وہ فوراً سنجیدہ ہو جائیگا اور اسکی ذہنی مصنوعی دیواریں گرنی شروع ہو جائیگی اور نتیجتاً ایک خدا کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہیگا۔

تیری منزل پہ پہنچنا کوئی آسان نہ تھا
سرحد عقل سے گزرے تو یہاں تک پہنچے

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾[الرعد: ۲۶] اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے۔

آیت مذکورہ کا پس منظر یہ ہے کہ عہد نبوت کے کفّارِ مکّہ بھی عام جُہلاء (Super human being) کی طرح کسی بھی انسان کو اس معیار سے پرکھتے تھے کہ آیا وہ امیر ہے یا غریب، اگر امیر ہے تو قابل عزت بھی ہے کیونکہ امیری اللہ کے نزدیک مقبولیت کی دلیل ہے عند اللہ وہ نیک اور شریف بھی ہے اسکے برخلاف اگر وہ تنگ دست اور مفلس ہے تو وہ اللہ کے پاس مردود ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی نیک ہو۔ یہ تھا معیار کفّارِ مکّہ کے پاس کسی کو نیک یا کسی کو بد قرار دینے کا۔ اسی غلط معیار کی تردید کے طور پر انکو متنبہ کیا جارہا ہے کہ رزق کی کمی بیشی کا معاملہ کئی مصلحتوں کو لیا ہوا ہے۔

حق بات تو یہ ہے کہ انسان اپنے خالق سے عہد فطرت میں بندھا ہوا ہے اور انسانوں سے عہد آدمیت میں بندھا ہوا ہے۔ انسان اس دنیا میں دونوں عہدوں کا

پابند بن کر زندگی گزارے، آدمی اسکے برعکس ان معاہدوں کو توڑ دیتا ہے تو زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے کہ ایسا آدمی نہ حقوق اللہ کی پروا کرتا ہے اور نہ حقوق العباد کی۔ایسے لوگ خدا کے نزدیک لعنت زدہ ہیں۔ رہ گئی بات رزق کی- یہ دنیا میں کسی کو کم ملتا ہے اور کسی کو زیادہ۔ جس کو زیادہ ملتا ہے وہ احساس برتری، غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس کو کم ملا وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ سوچ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلط ہے۔ صحیح رد عمل یہ ہے کہ جسکو زیادہ ملے وہ شکر کے جذبے سے سجدہ ریز ہو جائے اور جسکو کم ملا وہ صبر و قناعت کا دامن تھام لے۔ یہ دونوں حالتیں بھی امتحان کیلئے ہیں۔

دنیاپرست لوگوں کا رویہ یہہ رہتا ہے کہ وہ ہمیشہ حق کے داعی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیاپرست صرف سطح بین ہوتے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ ظاہر کی عظمتوں پر فَریفتُہ (عاشق) ہوتے ہیں اور اللہ کی مصلحت یہ ہے کہ داعی حق کے پاس دنیوی عظمتیں شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ نہیں ہوتا بلکہ صرف معنوی عظمت ہوتی ہے جسکو دنیاپرست پرکھ نہیں سکتے۔

حسن صورت چند روز، حسن سیرت مستقل
اِس سے خوش ہوتے ہیں لوگ، اُس سے خوش ہوتے ہیں دل

یہ دنیا خدا کی تخلیق ہے اُسکی ملکیت ہے ہم بھی اس کی ملکیت ہیں۔ اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ جو لوگ اس دنیا کو خدا کی دنیا نہیں سمجھتے بلکہ اسکو اپنی دنیا سمجھتے ہیں وہ اس دنیا میں لہو و لعب کی زندگی گزارتے ہیں اور جو لوگ اسکو خدا کی تخلیق سمجھتے ہیں اور اُسکے تخلیقی منصوبے کی حکمت کو سمجھتے ہیں۔ وہی لوگ

ایسی زندگی گزارتے ہیں جیسے اُس کا خالق چاہتا ہے اس کا نام تقویٰ اور ایسے شخص کو متقی کہا جاتا ہے۔

تقوے کی زندگی خدا کے ابدی اصولوں پر قائم ہوتی ہے اور وہ زندگی آخرت میں اسکا سہارا بنتی ہے۔ اسکے بر خلاف جو شخص خود رُخی اور بے سمتی کی زندگی گزرتا ہے وہ دراصل تخلیقی منصوبے کی حکمت ہی کو نہیں سمجھ سکا۔ کہ اس دنیا کی خدا کی بسائی ہوی زندگی نہ سمجھ کر، اسی طرح آزادی کو امتحان کے تحت دیگئی آزادی نہ سمجھ کر، زندگی گزارتا ہے تو اس دنیا سے نامراد واپس جاتا ہے کیونکہ دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال ہی کا نام گناہ ہے اور پوچھ اِسی آزادی کے غلط استعمال کی ہو گی۔ آزادی کے صحیح استعمال کا پابند کرنے کے لئے مؤمن کو کلمے کی زنجیر دی گئ ہے تاکہ وہ اس زنجیر کو تھام لے۔

میری آوارہ مزاجی کو نیا موڑ دیا
پابہ زنجیر کیا اور مجھے چھوڑ دیا

حدیث :- مؤمن کے دل میں دنیا اور آخرت دونوں کی محبت جمع نہیں ہوتی، جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے۔

سورۃ البقرہ کی مضامین واری تقسیم کی تفصیلات

چونکہ مذکورہ سورت ایک طویل سورت ہے جو ۲۸۶ آیات پر مشتمل ہے۔ اس لئے اسکے مضامین کو سمجھنے میں سہولت کی خاطر اس میں مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے علماء کرام نے اس سورت کو ایک تمھیدً۔ چار ابواب اور ایک خاتمہ کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ اگر قرآن کا قاری ان ابواب کے اجمالی اشاروں کو پیش نظر

رکھ کر سورت کا مطالعہ کرتا ہے تو طویل صورت کے سارے مضامین کی فہم آسان ہو جائیگی۔

نوٹ یہ وہ سورت ہے جس کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہوئے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۱۲ رسال کی مدت لگا دیئے تھے ہم تو قران خواہ بھی نہ رہ سکے قرآن دانی بہت بڑی بات ہے۔

آیت ۱ - ۳۹ : سورۃ البقرہ کا یہ حصّہ تمہیدی ہے اس اعتبار سے کہ اس حصّے میں اسبات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس قرآن مجید پر اُن صفات سے متصف لوگ ایمان لائینگے تاکہ اُن کو اس کتاب سے فائدہ ہوئے اور ایمان نہ لانے والوں کی ذہنی الجھنیں اور انکے لئے رکاوٹیں کیا ہونگی ، یہودیوں کی مکاریوں سے ہوشیار رہنے کیلئے مؤمنین کو ہدایت کیگئی ہے۔اسطرح سورت کا یہ تمہیدی حصّہ،آدم علیہ السلام کی خلافت اور شیطان کے حاسدانہ رویے پر ختم ہوتا ہے۔

فرشتوں کا،آدم علیہ السلام کی خلافت کی مخالفت کرنا ایک مثال ہے اُن لوگوں کی مخالفت کی جو رسول صلی اللہ علیہ علم کی دعوت کے بعض پہلووں کی گرائیوں کو سمجھ نہ سکے تھے پھر بعد میں وہ مطمئن ہو گئے تھے۔اسکے برخلاف شیطان کی مخالفت کو بھی ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے کر یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو اِس دنیا میں رسول خدا کی مخالفت کر رہے ہیں جیسے عہد رسالت میں مکہ معظّمہ میں سرداران قریش اور مدینہ منورہ میں یہود۔ چنانچہ ان کی اسلام دشمنی اور مخالفت مومنین میں اضافہ اسی تناسب سے ہوتا رہا جس تناسب سے دین اسلام کو ترقی ہوتی رہی آخر کار رسول خدا کی رسالت قائم ہو کر رہی۔

آیت ۴۰-۱۲۱ : سورۃ البقرہ کے اس حصّے میں بنو اسرائیل یعنی یہود کو دعوت اسلام دے کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ تورات میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے بارے میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ یہودیوں کو اچھی طرح سمجھایا گیا کہ حسد میں مبتلا ہو کر محمد ر ﷺ کی مخالفت میں مشرکین مکّہ پر خود تم (اہل کتاب ہوتے ہوئے) سبقت مت کرو۔ جہاد نفس کیلئے صبر اور نماز سے کام لو۔

خدا کے نزدیک عزت کا ذریعہ ایمان اور اس پر عمل ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا کرتا ہے۔ اس نے بہت سے انعامات کیے ہیں اور تمہارے ناشکرے پن پر تم کو بار بار سزائیں بھی دی ہیں۔ خاندان کی نسبتوں کے بجائے خود کو اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اوہام پرستی، روایات پرستی اور رسومات پرستی سے منھ موڑ لیں اور حق کی طرف آئیں۔ تمہارے بداعمالیوں کی وجہ سے سزا کے طور پر تمکو امامت عالم سے معزول کر دیا گیا ہے اور اُمت محمدیہ کو اس پیشوائی کے منصب سے نوازا گیا ہے۔

آیت ۱۲۲- ۱۶۲ : اس حصّے میں خانہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیمؑ کی سَرگُزشت بیان کی گئی ہے۔ ابراہیمؑ کی اولاد کے دین کے بارے میں غلط فہمی دور کیگئی ہے کہ وہ لوگ نہ تو یہودیت پر تھے اور نہ وہ لوگ نصرانی تھے۔

اُمّت محمدیہ کو ہدایت کی گئی کہ کعبۃ اللہ کو مشرکین کے قبضہ سے نکالنے کیلئے جان و مال لگانے والے ہو جائیں حضور اکرم کی رسالت دراصل ابراہیمؑ کی دعا کی مقبولیت کا نتیجہ ہے۔

آیت ۱۶۳-۲۴۲ : یہ باب اسلامی احکام اور اسلامی قوانین پر مشتمل ہے۔ملّت محمدیہ جو شریعت عطا کی گئی ہے اس شریعت کے بنیادی قوانین بیان ہوئے ہیں۔ یہود یا مشرکین کے تحریفات اور بدعتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ احکام اسطرح ہیں، توحید، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، قصاص، دِیّت، وصیت، حرام خوری، رشوت، جہاد، انفاق، شراب اور جُوّے کی ممانعت، نکاح، طلاق، خلع، رضاعت، مہر، ازدواجی زندگی کے دیگر مسائل وغیرہ۔

آیت ۲۴۳ - ۲۸۳ : اس باب میں مسلمانوں کو جہاد کیلئے ابھارا گیا ہے تاکہ خانہ کعبہ کو کفّار کے قبضہ سے آزاد کریں۔انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیگئی ہے۔ سود کی حرمت بیاں کیگئی ہے۔ قرض کے لین دین میں احتیاط جو اسلامی اعتبار سے ضروری ہے اسکے متعلق حکم دیا گیا ہے۔

آیت ۲۸۴—۲۸۶ : اس حصّے کی حیثیت سورت کے خاتمہ کی ہے۔اس میں واضح کیا گیا ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ وہ سب باتوں کا علم رکھتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے رسول اور اہل ایمان مانتے ہیں خواہ کوئی اسکو مانے یا نہ مانے۔اسکے بعد اہل ایمان کی دعا پر یہ سورہ ختم ہوتا ہے۔

ISLAHI TOHFA

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف و جملہ معاونین و اہل و عیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی

اشوک نگر ، بی۔ ایچ۔ ای۔ یل

حیدرباد

ISLAHI TOHFA

مزید موضوعات

https://islahitohfa.com